امامہ ریاست
شعبۂ اردو، سکول ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ، اٹک
محسن خالد محسن
شعبۂ اردو، گورنمنٹ شاہ حسین ایسوسی ایٹ کالج، لاہور

ناول "پاگل خانہ" کے تناظر میں عالمگیری اقتدار کا جنگی جنون: تجزیاتی مطالعہ

Imama Riasat
Department of Urdu, School Education Department, Attock
Mohsin Khalid Mohsin
Department of Urdu, Govt Shah Hussain Associate College, Lahore

The War Frenzy of Global Power in the Context of Novel "Pagal Khana": An Analytical Study

ABSTRACT
By the end of the 20th century, the world had evolved into a rudimentary form of a global village. With the beginning of the 21st century, the world turned upside down, and everything took on an artificial form. The narratives of caste, colour, race, politics, society, culture, civilization, and the entire way of life are changing. The obsession with border-bound power ran rampant, and the desire for global power fueled the madness of global wars, destroying everything in their path. Hijab Imtiaz Ali Taj's novel "Pagal Khana" gives a detailed analysis of the above situation. This novel shows the entire social culture of the late 20th century changing completely in the 21st century. This article consists of a special study of the political, cultural, and social narratives of the novel "Pagal khana" in the face of the narrative of global power. This article is a lamentation for the decline of the social situation that is ready to fall due to the decline of political chaos, and it is also a rich lesson that encourages the reader to read and think.

Keywords: *Global Village, 21st Century, Social Decay, 9/11, Democracy, Politics, America, Japan, Pakistan, Social media, Peasant, Third World, World Frame Order, Atomic Bomb, Depression, Hiroshima, Poland, Scientific Inventions.*

بیسویں صدی کے اواخر اور اکیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی دُنیا ایک نئی صورت حال سے دوچار ہوئی جسے گلوبل ولیج کے تصور سے سابقہ پڑا۔ اس تصور نے دُنیا کو جینے، رہنے اور برتاؤ کرنے کے جملہ عادات و اطوار کو یکسر

Article (2-1-6) Published on 22-05-2024
Tashkeel, Department of Urdu, University of Jhang, E mail: tashkeel@uoj.edu.pk
12KM, Chiniot Road, Jhang, Punjab, Pakistan. 047-7671240

تبدیل کرنے پر مجبور کیا۔ تبدیلی اس قدر سُرعت سے آئی کہ دُنیا کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ ملا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر چیز کے بارے میں نکتہ نظر اور زاویہ جانچ تبدیل ہو گیا۔ ذات پات، رنگ نسل، برادری اور نسبت و اُنسیت میں تفریق و تضاد اور اختلاف نے جنم لیا اور دُنیا مبارزت کی آماجگاہ بن کر رہ گئی۔

بیسویں صدی کے اواخر میں تیزی سے ابھرنے والے ناول نگاروں میں ایک نام حجاب امتیاز علی تاج کا ہے۔ ان کا شمار رومانی ناول نگاروں میں ہوتا ہے۔ حجاب نے اپنے افسانوں اور ناولوں میں خوف، نفسیات اور رومان کے امتزاجی موضوعات کو برتا ہے۔ سجاد حیدر یلدرم کے الفاظ میں:

> "ان کے افسانے محض عورتوں اور لڑکیوں کے لیے نہیں ہوتے، وہ سب کے لیے ہیں ...
> ان کی لطیف تحریر یہ بتاتی رہتی ہے کہ یہ ایک ذکی الحس خاتون کے 'خامہ عنبر شامہ' کی تحریر ہے۔ ان کے ہاں وضاحت ہے عُریانی نہیں، شوخی ہے بے باکی نہیں۔"(1)

حجاب نے "پاگل خانہ "ناول لکھ کر تبدیل ہوئی دُنیا اور حد سے متجاوز ہوتے اذہانِ اقتدار کی نفسیات کے جملہ مظاہرات کو دیکھنے کا موقع فراہم کیا۔ پاگل خانہ واحد ناول ہے جو معاشرتی تنزل کی جملہ صورت حال کو افسانوی انداز میں جزئیات کے ساتھ سامنے لانے کی فن کارانہ صلاحیت رکھتا ہے:

> "حجاب کے لطیف شاعرانہ اسلوب نے موضوع کی گھمبیریت کے باوجود ناول کی فضا کو بوجھل نہیں ہونے دیا۔۔۔ناول انتہائی حساس اور اہم موضوع پر لکھا گیا ہے۔ مصنفہ نے اپنے موضوع سے مکمل انصاف اور کسی موڑ پر بھی موضوع پر اپنی گرفت کمزور پڑنے نہیں دی۔"(2)

"پاگل خانہ" مصنفہ کا تیسرا ناول ہے جو پہلی بار 1980ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوا۔ اس کے مرکزی کرداروں میں روحی، ڈاکٹر گار اور شوشوئی شامل ہیں۔ روحی کا تعلق ادبی دنیا سے ہے یعنی وہ ایک ناول نگار ہے جب کہ ڈاکٹر گار طب کے شعبہ سے وابستہ ہے اور شوشوئی فلسفہ کی طالب علم ہے۔ یہ تینوں لوگ دنیا کو اپنے اپنے نقطہ نگاہ سے دیکھتے ہیں اور امن کے متلاشی ہیں یہی ان کی مشترک قدر ہے۔

ناول پاگل خانہ نہ صرف حجاب امتیاز علی کی ادبی زندگی کا ایک اہم موڑ اور ان کے فکر و نظر میں آنے والی تبدیلیوں کا عکاس ہے بلکہ یہ ان کی ایک اہم تخلیقی کاوش اور ان کے فن کا بنیادی سنگ میل بھی ہے۔ یہ ناول مصنفہ کے انفرادی تصورات کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ ان تلخ اور خوفناک حقیقتوں کو منظر عام پر لاتا ہے کہ جن سے آج کی پوری دنیا متاثر ہے۔ مصنفہ نے اس ناول کا انتساب ان لوگوں کے نام لکھا ہے جو عالمی امن کے نام پر ایٹمی ہتھیاروں اور زہریلے خفیہ دھماکوں کے خلاف جہاد کرتے اور سائنس کو بنی نوع انسان کے مفاد کے استعمال کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔ اس

ناول کا مرکزی خیال نہ صرف سائنس کے گرد بنا گیا ہے بلکہ مصنفہ نے اسے لکھنے سے پہلے بے شمار کتب کا مطالعہ بھی کیا جن میں چار الہامی کتب بھی شامل ہیں۔ اس ناول کا موضوع عالمی امن ہے۔

اس ناول میں سارے عالم کی بدعنوانیوں پر مدلل بحثیں ہیں۔ اس میں عالمی امن وآشتی کے لیے افراط و تفریط اور تخریب کاری کے خاتمے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ ناول اپنے موضوع کی وسعت اوراہمیت کے اعتبار سے ایک بہترین کاوش ہے۔ اس ناول میں صرف ہمارے معاشرے ہی کی نہیں بلکہ پوری دنیا کی تباہی وبربادی پر روشنی ڈالتے ہوئے مصنفہ نے ساری دنیا کو ایک پاگل خانہ قرار دیا ہے اوراس کی وجہ یہ ہے کہ اس دنیا میں جتنی بھی نئی سے نئی ایجادات ہو رہی ہیں وہ انسانی فلاح وبہبود کی بجائے انسانوں کی ہلاکتوں کا سبب بن رہی ہیں اوران کی وجہ سے ساری دنیا میں امن ناپید اور دہشت گردی اور ظلم وبربریت عام ہوتی چلی جارہی ہے۔

اس ناول کی شروعات ہی ہوائی دہشت گردی سے ہوئی ہے، جی ہاں سائنس کی وہ ایجاد جس نے گھنٹوں کا سفر منٹوں میں اور منٹوں کا سفر سیکنڈوں تک پہنچادیا یعنی ہوائی جہاز۔ اس کا سفر بھی بدقسمتی سے امن وسکون کی بجائے اس وقت اضطراب وبے چینی کی صورت اختیار کرلیتا ہے کہ جب خدانا خواستہ ہوائی جہاز میں کوئی فنی خرابی ہو جانے کے باعث یہ کسی حادثے کا شکار ہو جائے تو پھر شاہد ہی کوئی مسافر زندہ بچ سکتا ہے ورنہ تو تمام موت کے منھ میں چلے جاتے ہیں یا پھر اگر دہشت گرد گروہوں وتنظیموں سے وابستہ لوگ اسے اپنے مذموم مقاصد کو پورا کرنے کے لیے اغوا کرلیں اوراس طرح تمام مسافروں کی جانوں کو خطرے میں ڈال دیں جیسا کہ ناول میں جب روحی، ڈاکٹر گار اور شوشوئی جو کہ امن کے راہی تھے اورامن کی تلاش میں ہی گھر سے نکلے تھے لیکن سفر کی ابتدا میں ہی انھیں ہوائی جہاز میں جو صورت حال پیش آتی ہے اس کا اندازہ ناول "پاگل خانہ" کا یہ حصہ پڑھ کر بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

> "اچانک جہاز ہچکولے کھانے لگا۔ اس وقت میں جہاز کی دریچی کے شیشے سے باہر جھانک رہی تھی۔ آہ۔۔۔ جونہی میں نے گردن پھیر کر اندر نظر ڈالی تو دیکھا۔۔۔ کہ جہاز میں ایک کہرام مچا ہوا ہے۔ مسافروں کی دوہائیاں، کارکنوں کا شور وغوغا، لوگوں کی چیخ وپکار!۔۔۔ ایک قیامت صغریٰ بپا تھی۔ مسافر اس آفت ناگہانی سے شدید گھبرائے ہوئے تھے۔ ان کے ہونٹوں سے سانپ کی پھونکاروں جیسی خوف ناک آوازیں نکل رہی تھیں۔ بعض تو بے ہوش ہوگئے تھے میری کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ یہ چشم زدن میں کیا ہوگیا۔۔۔؟ مجھے کچھ علم نہ تھا۔ میں تلاش امن کی خاطر گھر سے نکلی تھی اور نہ معلوم منزل کی طرف رواں تھی۔ اس وقت مجھے کچھ علم نہ تھا کہ مسافروں پر کیا قیامت گزر گئی اور گزر رہی ہے۔ دفعتہ مجھے ڈاکٹر گار کا خیال آیا جو کسی پچھلی نشست پر تھا میں نے مڑ کر آہستہ سے کہا۔۔۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔

ڈاکٹر گار کی اداس آواز آئی: "اس وقت ہم دہشت پسندوں کے قبضے میں ہیں۔ یہ ہوائی رہزن ہیں۔" یہ سن کر میرے ہوش اڑ گئے۔ اب کہیں جا کے میری سمجھ میں آیا کہ ہمارا جہاز ہائی جیک کر لیا گیا ہے۔"(3)

اس ناول میں قتل وغارت گری، انتشار وبدامنی، جنگ وجدل، سائنسی تخریب کاریاں، ایٹمی تباہ کاریاں یہاں تک کہ ادب، مذہب اور سیاسیات پر طویل ومدلل فلسفیانہ گفتگو ملتی ہے۔ ہمارے معاشرے سمیت پوری دنیا میں جو بھی بدحالی اور بے سکونی ہے مصنفہ نے اس کی تمام تر ذمہ داری سائنس پر ڈالی ہے۔

"ہے دِل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساسِ مروت کو کچل دیتے ہیں آلات"(4)

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ سائنس ایک عظیم قوت ہونے کے ساتھ ساتھ دنیا بھر کے افراد کے لیے دور حاضر کے حساب سے بے انتہا مفید اور کارآمد بھی ہے۔

جمہوری اقدار وعمل کی پاسداری نہ ہونے کی وجہ سے ہی آج کے دور کا آدمی اپنے حقوق تو یاد رکھتا ہے مگر اپنے فرائض بھول چکا ہے اور حقوق وفرائض کی اس رسہ کشی میں دہشت گردی نے جنم لیا اور یہ دہشت گردی مختلف صورتوں میں روزانہ ہمارے سامنے ظہور پذیر ہوتی ہے مثلاً کبھی ہوائی رہزنی، تو کبھی قتل وغارت، کہیں غربت کے ہاتھوں تنگ آ کر والدین اپنے بچوں کو قتل کر دیتے ہیں اور خود بھی خودکشی جیسے ناجائز فعل کے مرتکب ہوتے ہیں، تو کہیں خاندانی دشمنیاں جیت جاتی ہیں اور انسانی جانیں ہار جاتی ہیں، کہیں راہ چلتے نہتے راہگیروں کو پستول کی نال دکھا کر لوٹ لیا جاتا ہے اور مزاحمت کرنے پر انہیں ہمیشہ کے لیے ابدی نیند سلا دیا جاتا ہے تو کہیں بم دھماکوں کے ذریعے سیکڑوں جانیں لے لی جاتی ہیں اور یوں نہ صرف ہمارے ملک بلکہ پوری دنیا کے معاشروں میں انسانی جانیں بے مول ہو کر رہ گئی ہیں۔ گھر کے اندر رہیں یا باہر غرض دنیا کے کسی خطے میں بھی چلے جائیں امن وسکون کا ملنا محال ہے۔ یہی وہ خطرات تھے جو اس ناول کے مرکزی کردار روحی کو اپنے ملک میں چین نہ لینے دیتے تھے اور وہ اس بھول میں اپنے وطن سے باہر امن کی تلاش کی خاطر نکلتی ہے کہ کہیں سلامتی وآشتی برقرار ہو۔ مصنفہ نے ہمارے ملک ومعاشرے میں آئے روز ہونے والی دہشت گردی کو ناول "پاگل خانہ" میں روحی کی زبانی کچھ اس طرح سے بیان کیا ہے:

"مگر ۔۔۔ میں کرتی بھی کیا؟ مجبور تھی۔ دراصل میرے ملک کے حالات خوف ناک اور سنگین ہو رہے تھے، دن دھاڑے لوٹ مار، قتل وغارتگری۔ بچوں بوڑھوں نوجوانوں کا اغوا، آتش زنی، سنگباری، اچانک حملے، جگری دوستوں کا بات بات میں ایک دوسرے کو قتل کر دینا، صحیح بات کو غلط اور غلط کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش میں ایک دوسرے کو خنجر

بھونک دینا، منطق کے بجائے چھرے استعمال کرنا، عبادت گاہوں اور عدالتوں کی تذلیل کرنا، سیاسی مسائل کو لایحنل بنالینا، بلاوجہ خود کشیاں کرلینا، غرض اوج ثریا پر پہنچے ہوئے ان روز افزوں جرائم اور عجیب وغریب غیر قانونی حرکات کو دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا تھا کہ میرے ملک کے سارے لوگ پاگل ہو چکے ہیں اور میرا پیارا وطن ایک وسیع پاگل خانہ بنتا جارہا ہے۔ کیوں کہ یہ صرف اخلاقیات کا مسئلہ نہ تھا۔ بلکہ ایک وبائی قسم کا مرض تھا جس میں بچے، بوڑھے سبھی بڑی تیزی سے مبتلا ہو رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ میں مجبور ہو کر تلاش امن میں اپنے وطن سے نکل پڑی۔"(5)

قدرت نے آسمان کو سورج، چاند ستاروں اور دیگر انوع واقسام کہکشاؤں سے اس طرح سجایا ہے کہ اگر انسان قیامت تک بھی ان کا نظارہ کرے تو نہ ہی اس کے نظارہ کرنے کی خواہش ختم ہو گی اور نہ ان تمام چیزوں کی جگمگاہٹوں میں کوئی فرق پڑے گا۔ اس دنیا کو کوہستانوں، ریگستانوں، میدانوں، سبزہ زاروں، آبشاروں، وادیوں، سمندروں، دریاؤں، اور نیلے آسمانوں سے مزین کیا اور اس طرح کیا کہ نہ صرف کائنات کی خوبصورتی میں اضافہ ہو بلکہ فضا بھی فرحت بخش ہو جائے۔ انسان کی بدقسمتی تو دیکھیں کہ وہ دنیا میں اپنے دنیاوی وعارضی دھندوں میں اس قدر مصروف ہے کہ اسے اپنی آخرت کی فکر ہی نہ رہی اور وہ صرف دنیا کی آسائشات حاصل کرنے کی تگ ودو میں غرق ہو گیا۔ وہ انسان جو رب کعبہ نے دنیا میں امن کا پیامبر بنا کر بھیجا اپنے ذاتی مفادات کی خاطر یہاں خون کی ندیاں بہانے سے بھی دریغ نہیں کرتا اور معاشرے کی طبقاتی کشمکش نے مزید سونے پہ سہاگے کا کام کیا۔ دین، دنیا اور معاملاتِ دین و دنیا میں جب تک توازن قائم نہیں ہو گا، دنیا یوں ہی تباہ ہوتی رہے گی۔

"زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے؟ انھی اجزا کا پریشاں ہونا"(6)

ہمارا معاشرہ مختلف طرح کے جرائم سے لیس ایک ایسی آماہ جگا بن گیا ہے کہ جہاں دو پل کا سکون میسر نہیں ہے۔ موت کس طرف سے آکر اپنے شکنجے میں لے لے کسی کو کچھ پتہ نہیں کیوں کہ جرائم پیشہ لوگ ہر وقت ہمارے ارد گرد اور گلی محلوں میں گھومتے رہتے ہیں۔ اس ضمن میں ناول "پاگل خانہ" میں ڈاکٹر گار اور روحی کے مابین ہونے والی یہ گفتگو ملاحظہ کیجیے:

"قاتل اور جرائم پیشہ لوگ موقع کی تاک میں ادھر ادھر گھوم رہے ہیں کہ کب کس کی جان لے لیں اور کب کس عمارت کو نذر آتش کر دیں اور دن دہاڑے کس بھرے بازار پر فائرنگ شروع کر دیں۔ کس ہسپتال میں ملاقاتی بن کر پہنچیں اور کن مریضوں کو تہ تیغ

کر دیں۔ کس تعلیمی ادارے میں جائیں اور وہاں کے سربراہ کو یرغمال بنالیں۔ میدانوں میں
کھیلتے ہوئے اور سکول جاتے ہوئے معصوم بچوں کو اغوا کر لیں۔ کس بازار میں چلتی ہوئی کس
مظلوم عورت کے چہرے پر اچانک تیزاب ڈال دیں۔" (7)

اس دنیا کے تمام انسانوں پر سائنس کے بے شمار احسانات ہیں۔ سائنس نے جہاں پیچیدہ ترین بیماریوں کے علاج دریافت کیے وہیں انسانی معاشرے میں اور بہت سے خوشگوار تبدیلیاں بھی مچادیے۔ زندگی کے ہر شعبہ مثلاً زراعت، طب، جراحی اور دیگر ٹیکنالوجی میں سائنس ہی کی بدولت انسان ترقی کرتا ہوا بامِ عروج پر جا پہنچا۔

انسان کی تیز رفتار اور ترقی یافتہ زندگی کا یہ عالم ہے کہ اس نے پرانے زمانے کی مشکلات ومشقت سے بھرپور زندگی کو سائنسی کرشمات کی بدولت آن واحد میں آسانیوں میں تبدیل کر لیا۔ ریڈیو، ٹی وی، انٹرنیٹ، ٹیلی فون، بجلی اور بجلی سے چلنے والی اشیا گیس اور اس سے وابستہ سہولیات زندگی، مصنوعی سیارے، ریڈار، سیٹلائٹس، ذرائع آمد و رفت اور اسی طرح کی بہت سی ترقی یافتہ اشیا انسانی ذہن وذہانت کی نشان دہی کرتی ہیں۔ گو انسان نے یہ سب ایجادات کر کے یہ سوچ لیا کہ گویا اس نے افراد معاشرہ کی زندگیوں میں راحت وسکون فراہم کر دیا اور تمام مسائل کا حل بھی نکال لیا۔ اپنی ہر نئی دریافت پر انسان کو یہ مغالطہ ہوا کہ اس نے آب حیات پالیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ سائنس اور اس سے منسلک کرشمات پر اس کا یقین اس قدر پختہ ہو گیا کہ وہ ناسمجھ یہ سمجھ بیٹھا کہ انسانی زندگی کو کلیدی تحفظ حاصل ہو گیا ہے۔

جس طرح مختلف دور کے انسان مختلف خداؤں کی پوجا پاٹ کرتے تھے بالکل اسی طرح آج کے ترقی یافتہ انسان نے بھی اندھا دھند تقلید کے سبب جہاں بہت کچھ حاصل کیا وہیں بہت کچھ کھویا بھی ہے لیکن ترقی کی اس دوڑ میں وہ اس قدر غرق ہو چکا ہے کہ اسے کچھ خبر ہی نہیں کہ وہ اپنا دشمن خود بن چکا ہے۔ ہر عروج کو زوال آتا ہے کوئی بھی چیز، رتبہ اور مقام ہمیشہ کے لیے نہیں رہتا۔ وقت کا کام گزرنا ہے سو وہ بھی تیزی سے گزرتا چلا جا رہا ہے اور اپنے اچھے برے ہر طرح کے نقوش انسانی زندگی پہ ثبت کرتا چلا جا رہا ہے۔

قدرت نے ہر جاندار کو زمین پر زندگی مہیا کرنے کے ساتھ سورج کی تابکاری شعاعوں اور ان کے مضر اثرات سے بچنے کے لیے قدرتی طور پر زمین کے گرد اوزون کی تہہ لپیٹ رکھی تھی لیکن آئے دن کے ایٹمی تجربات، فیکٹریوں اور کارخانوں سے نکلنے والا دھواں، فالتو کیمیائی کھادوں اور دیگر مضر اشیا کا سمندر میں پھینکا جانا وغیرہ اور سب سے بڑھ کر آمد و رفت کے ذرائع سے نکلنے والا زہریلا دھواں ان تمام چیزوں نے مل کر اوزون کی تہہ کو بے حد کمزور کر دیا ہے جس کی وجہ سے زمین پر بسنے والے جانداروں کی زندگیاں غیر محفوظ ہو رہی ہیں اور وہ براہ راست تابکاری شعاعوں کا شکار ہو رہے ہیں۔

یہ سب جاننے کے بعد آج کے انسان نے بے شک اپنے تحفظ کے لیے بہت کچھ بنایا لیکن پھر بھی وہ محفوظ نہیں ہے اوراس کی خاص وجہ یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں کیمیاوی اجزا کا استعمال ہماری زندگیوں کے لیے ایسے اہمیت اختیار کر چکا ہے جیسے زندہ رہنے کے لیے سانس لینا ضروری ہے۔اس ضمن میں ناول ''پاگل خانہ'' سے لیا گیا یہ پیراگراف قابل غور ہے:

> "ہماری مجبوری یہ ہے کہ آج کے ترقی یافتہ ماحول میں ہم ہر قدم پر اس کے محتاج ہیں۔بغیر فیکٹریوں کے ہماری ضروریات کیسے پوری ہو سکتی ہیں۔مصنوعی کھاد اور کیڑے مار دواؤں کے بغیر زراعت کے کام کیسے چل سکتے ہیں؟ ایٹمی تجرباتی دھماکوں کے بغیر دنیا کی جنگوں کی تیاریاں کیسے مکمل ہو سکتی ہیں۔۔۔؟ مگر ان سب کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ انسان کے تحفظ کے لیے زمین کے گرد لپٹی ہوئی آکسیجن گیس کی تہہ کمزور پڑتی جارہی ہے اور ہم براہ راست تابکاری کی لپیٹ میں آرہے ہیں۔پیچیدہ جلدی امراض اور کینسر کی وبا عام ہوتی جارہی ہے۔موسم بھی بے قابو ہو چلے ہیں۔موسموں کی بے اعتدالیوں کے جو اثرات انسانی ذہن اور صحت پر پڑ سکتے ہیں انہیں عام آدمی قابل اعتنا نہیں سمجھتا مگر وہ اہل نظر کے لیے اظہر من الشمس ہیں۔"(8)

حجاب امتیاز علی نے اس ناول میں ایٹمی جنگ کے بعد ہونے والی تباہی و بربادی بالخصوص تاب کاری کے اثرات کا جائزہ بھی بڑی گہرائی کے ساتھ پیش کیا ہے۔جنگ جو کہ امن کا متضاد ہے اپنے اندر بہت وسیع مفہوم چھپائے ہوئے ہے۔تشدد، ظلم وبربریت، جارحیت، خانہ جنگی، نسلی وفرقہ ورانہ فسادات وغیرہ بھی جنگ ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔سائنس و ٹیکنالوجی نے جس قدر انسانی حیات کو ترقی و عروج عطا کیا اس سے کہیں زیادہ وہ اس کو نیست ونابود کرنے کا باعث بھی ہے۔خاص طور پر جنگی جنون نے انسان کو جدید جنگی ہتھیار بنانے پر مجبور کیا اور یوں وہ خود ہی نہ صرف اپنی ہلاکت کا موجب بنا بلکہ اس نے اپنے ملک کے عوام کے ساتھ ساتھ دیگر ملکوں اوران میں بسنے والے لوگوں کو بھی تباہ کرنا شروع کر دیا۔انسان کے شوق حکمرانی نے اسے کہیں کا نہ چھوڑا اور یوں تابکاری نے اس کی اپنی جبلتوں کو اس قدر بدل دیا کہ وہ تعمیر پسند بننے کے بجائے تخریب کار اور دہشت گرد بن گیا۔

انسان کی سوچ اس قدر پراگندہ ہو گئی ہے کہ اس کے ذہن میں یہ بات آتی ہی نہیں کہ جن لوگوں کو وہ تباہ کر رہا ہے وہ بھی اسی کی طرح کے انسان ہیں اور گرمی، سردی، دھوپ بارش، بہار خزاں، بیماریاں، حادثات، خوشی و غم یہاں تک کہ خطرناک جراثیم وغیرہ ان پر بھی اسی طرح اثر انداز ہوتے ہیں جس طرح اسے متاثر کرتے ہیں۔صد

افسوس کہ آج کی دنیا کا انسان اس قدر خود غرض ہے کہ اس نے کبھی خلوص نیت سے دوسروں کا بھلا سوچا ہی نہیں ہے ورنہ سائنس جیسی بڑی قوت کو اپنے ماتحت کرنے کے بعد انسان اتنا بے سکون کبھی نہ ہوتا۔

طاقت کا نشہ اور اس کا غلط استعمال کسی بھی فرد کو بلآخر موت کے منہ میں دھکیلنے کے لیے کافی ہیں اور یہی کچھ آج کے اس جدید دور کے ترقی یافتہ انسان کے ساتھ بھی ہوا کہ اس نے اپنے اختیارات کا غلط استعمال کرتے ہوئے نہ صرف خود کو بلکہ اس پورے کرہ ارض کو مصیبتوں اور پریشانیوں میں دھکیل دیا ہے۔ اس کے بنائے ہوئے ہتھیاروں کی تابکاری نے انسان، جانور، چرند، پرند، نباتات، سمندری حیات تقریباً ہر ایک کو شدید متاثر کیا اور یوں کائنات کا حسن دوآتشہ ہونے کی بجائے ماند پڑ گیا ہے۔ کیمیاوی بھاپوں اور دھماکوں نے موسموں اور انسانی ذہین کو اس قدر تہس نہس کر دیا ہے کہ ملکوں کے نظام حکومت اور سیاسیات عالم تک یکسر بدل گئی ہے۔ اقوام عالم اپنے اپنے مفادات کی خاطر ایک دوسرے کی دشمن بن چکی ہیں اسی وجہ سے انسانیت کی دھجیاں تک اڑ گئی ہیں۔

اگر ہم صرف اپنے ملک کی صورتحال پر نظر ڈالیں تو کوئی مسجد، مندر، سکول، مدرسہ، گرجاگھر، بازار، عدالتیں، مزارات وغیرہ تک محفوظ نہیں کیوں کہ ہر دن کوئی نہ کوئی بم دھماکہ ہمارے ملک کو اندر تک ہلا کر رکھ دیتا ہے اور اس دھماکے کے نتیجے میں ہزاروں افراد مر جاتے ہیں لیکن جو بچ جاتے ہیں اصل مسائل تو ان کے لیے ہیں کیوں کہ مرنے والے تو صرف موت کی اذیت جھیلتے ہیں اور ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جاتے ہیں لیکن زندہ رہ جانے والے معصوم شہری نہ صرف اپنے اہم جسمانی اعضا کھو دیتے ہیں بلکہ ساری زندگی کی جسمانی و ذہنی معذوری کو سہتے ہوئے پل پل جیتے اور مرتے ہیں اور ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ آخر ان سادہ لوح لوگوں کا کیا قصور ہے جو صبح اپنی روزی روٹی کے لیے گھروں سے نکلتے ہیں اور مختلف حادثات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بڑے ملکوں کی چھوٹے ملکوں پر چڑھائی اور ان پر اپنی حکومت قائم کرنے کی خواہش میں عام عوام بے موت گاجر مولی کی طرح کٹ مر رہی ہے۔ حکمرانوں کی آپس کی لڑائی جھگڑوں اور ان کے مابین ہونے والی جنگوں کا جو نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو چکا ہے اس کے خطرناک نتائج بے بس ولاچار قومیں بھگت رہی ہیں اور ان لڑائیوں اور جنگ و جدل میں استعمال ہونے والے ایٹمی ہتھیاروں نے پوری دنیا کے لوگوں کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ اس ناول میں مصنفہ نے ہیروشیما اور ناگاساکی میں ہونے والی تابکاری جنگ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی بیماریوں اور نقصانات کو ڈاکٹر گار اور روحی کے مابین ہونے والی گفتگو کے ذریعے خوب آشکارہ کیا ہے۔ اس حوالے سے ناول "پاگل خانہ" کا یہ حصہ دیکھیئے:

> "میں بولی! یہ ٹھیک ہے کہ ہیروشیما اور ناگاساکی کی ایٹمی قیامت کے بعد جاپان کی جنگ فوری طور پر ختم ہو گئی تھی۔۔۔ مگر ایک جنگ کو ختم کرنے کے لیے کئی انسانوں کو درہم

برہم کر دینا انصاف نہیں دشمن نے یہ نہیں سوچا کہ جو لوگ اس جنگ میں شریک نہیں تھے مثلاً بوڑھے بچے بیمار وہ بھی تابکاری کی نظر ہو جائیں گے۔۔۔ڈاکٹر گار کہنے لگا: ہاں تاب کاری کے مضر اثرات دور رس ہوتے ہیں۔ یاد ہو گا ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹمی بمباری کے مہینوں بعد ڈاکٹروں کی ایک ٹیم وہاں کے باشندوں اور خصوصاً حاملہ عورتوں اور ان کے ہونے والے بچوں پر تابکاری کے اثرات کی تحقیق کے لیے جاپان بھیجی گئی تھی۔ یہ طبی وفد بیس سال تک حاملہ عورتوں اور پیدا ہونے والی نسل کی طبی تحقیق اور نگہداشت پر لگا رہا۔ بیس سال گزر جانے کے باوجود پیدا ہونے والی نسل میں جسمانی اور ذہنی نقائص موجود تھے۔۔۔ان کے سر چھوٹے تھے۔ تھائی رائڈ غدود پر رسولیاں پھوٹ نکلی تھیں۔ لوگ کیمیا اور سرطان میں بھی مبتلا تھے۔ ذہی اعتبار سے اکثر ان میں ناکارہ تھے۔ گویا بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ تابکاری کے تباہ کن اثرات نسل در نسل چلتے ہیں۔"(9)

یہ بات بھی کسی حد تک درست ہے کہ عہد قدیم میں بھی بڑی بڑی لڑائیاں لڑی گئیں اور جنگ و جدل کے میدان گرم ہوئے لیکن یہ بھی سچ ہے کہ ان جھگڑوں اور جنگوں میں بدامنیاں پھیلنے کے باوجود ان کا انجام اتنا ہولناک نہ تھا جتنا کہ آج کے دور میں ہے کیوں کہ یہ دنیا ایٹمی دھماکوں، ایٹمی ہتھیاروں اور ایٹمی فضاؤں کی دنیا ہے جس کے اثرات نہ صرف دور تک پھیلتے ہیں بلکہ انسان، حیوان، چرند پرند یہاں تک کہ نباتات بھی زہر آلود ہو جاتی ہے۔ اگر ہم نئی و پرانی دنیا کا موازنہ کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ پرانی دنیا میں انقلاب و آفات صدیوں میں آیا کرتے تھے جب کہ آج کی دنیا میں یہ معمول کی بات ہے۔ قدیم دنیا میں بیشتر جگہیں ایسی بھی تھیں جہاں امن و سکون تھا لیکن آج شاید ہی دنیا کا کوئی کونہ یا خطہ ایسا ہو گا جہاں انسان کو راحت میسر آ سکے اور اس کے لیے کوئی پناہ گاہ بن سکے۔ آج کے اس بے سکون و بے امن عہد میں ہر طرف کے عوام یرغمالی ہیں۔ آدھے سے زیادہ ممالک پناہ گزینوں سے بھرے پڑے ہیں۔

بڑی طاقتیں شتر بے مہار کی اعلیٰ مثال بنی ہوئی ہیں۔ ہر ملک اپنے بچاؤ کے لیے ایٹمی و جوہری ہتھیار بنائے چلا جا رہا ہے۔ طاقت ور کے لیے کوئی قانون نہیں جب کہ غریب ممالک ہر طرف پس رہے ہیں۔ بحیثیت انسان اگر سوچا جائے کہ پوری دنیا میں جوہری جنگیں شروع ہو جائیں تو دنیا کی عظیم ترین تہذیبیں لمحوں میں نیست و نابود ہو جائیں گی۔

بلا شبہ انسان نے بڑی سے بڑی اور خطرناک ترین بیماریوں کا توڑ نکال لیا ہے لیکن ایک بیماری جو سب پر بھاری ہے اس کا تو کوئی سد باب نہ کر سکا یعنی بڑھاپے کا جو کہ تمام بیماریوں کی جڑ ہے اور میری عقل کے مطابق تو سب سے بڑا عذاب الٰہی بھی ہے کیوں کہ جب تک انسان جوان رہتا ہے تو گھر و معاشرے کے لیے کارآمد ہے لیکن جونہی وہ

بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے تو ناکارہ و ناسور بن جاتا ہے۔ اس دنیا میں سب پہلے تو ہم اپنے گھر کے بوڑھوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھتے ہیں وہ قابل بیان نہیں اس کے بعد بڑی بڑی شخصیات جو اپنے عہد کی نامور طاقتیں تھیں اور جن کا طوطی بولتا تھا مگر جب بڑھاپے نے ان کے در پر دستک دی تو اس کا کیا حال ہوا اسے مصنفہ نے ناول میں بھی بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ سائنس کی بے بسی کو بھی آشکارہ کیا ہے۔ اس ضمن میں ناول "پاگل خانہ" سے لیا گیا اقتباس پیش نظر ہے:

> "آپ تھوڑی دیر کے لیے انسان کے اس خوفناک چہرے کو تصور میں لائیے۔ جو کبھی خوب صورت تھا اور جسے بڑھاپے کے دیو نے مسخ کر دیا۔ اور اس لاعلاج مرض کا خیال کیجئے جو ایک اچھے خاصے محنتی آدمی کو ناکارہ اور اپاہج بنا کر سوسائٹی کے لیے بوجھ بنا دیتا ہے۔ اور پھر اس موت کو یاد کیجے جو ایک عالم یا مفکر یا فنکار کو عین اس وقت ہم سے چھین کر گورستان پہنچا دیتی ہے جب وہ اپنی ساری زندگی کے تجربات، مشاہدات اور علمیت کی وجہ سے دنیا کو مستفیض کرنے کے قابل بنتا ہے۔ سائنس نے ان بنیادی آفات سے انسان کو محفوظ رکھنے کے لیے کیا جدوجہد کی؟۔۔۔ موزآرٹ ستائیس سال کی عمر میں ختم ہو گیا تھا۔ یونان کی شاعری کے پیامبر ہوم ہی کا حشر دیکھ لو آخری عمر میں وہ اندھا ہو گیا تھا۔ موسیقی کے خالق بیتھون کو یاد کرو بڑھاپے نے اس کی قوت سماعت سلب کر لی تھی۔۔۔ فلکیات کے ماہر گیلی لیئو کا المیہ یاد کرو۔ ساری عمر دوربینیں بنا بنا کر ستارہ شناختی کی چانچ پڑتال میں لگا رہا۔ لیکن بڑھاپے نے اس کی بصارت چھین لی اور وہ ستارہ بینی سے محروم ہو گیا۔"(10)

زندگی ہو یا موت اس کا ایک وقت مقرر ہے اور اس سے ایک منٹ بھی کم یا زیادہ انسان نہ تو زندہ رہ سکتا ہے اور نہ ہی مر سکتا ہے حالانکہ آج کے اس ترقی یافتہ عہد میں انسان نے اپنی عقل کے ذریعے بیماروں اور بالخصوص زندگی موت کی کشمکش میں پڑے لوگوں کو مزید زندگی دینے کے لیے مصنوعی مشینیں تک ایجاد کر لی ہیں لیکن بہر حال موت ایک اٹل اور تلخ حقیقت ہے جسے مقررہ وقت پر ہی آنا ہے۔ اس حوالے سے ناول "پاگل خانہ" کا یہ اقتباس دیکھیے:

> "اس لمحے مجھے احساس ہوا کہ شوشوئی پر وہ وقت آچکا ہے جب آدمی کے لیے ساری دنیا کے علم و فلسفے، دولت و اقتدار بے معنی اور ہیچ ثابت ہوتے ہیں اور اسے سوائے آخرت کے سفر کے اور کسی چیز کا دھیان نہیں رہتا اور یہ لمحہ بنی نوع انسان کے لیے اظہر من الشمس ہے۔ اس عبرت ناک لمحے کو نہ سائنس ٹال سکتی ہے نہ پرہیز گاروں کی دعائیں۔ اس لمحے کا تجزیہ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ جانیوالے کے لیے خوشگوار اور سہانا ہوتا ہے یا ناخوشگوار اور اذیت ناک! اس کی اسراریت کا پردہ کون اٹھائے؟" (11)

والدین وہ ہستیاں ہوتی ہیں جو ہمیں یعنی اپنے بچوں کو اس دنیا میں لانے کا سبب بنتی ہیں۔ماں نو مہینے بچے کو اپنے پیٹ میں رکھ کر اسے اپنے خون سے سینچتی ہے اور پھر اپنی جان پر کھیل کر اسے اس دنیا میں لاتی ہے۔ماں کی اہمیت کے ساتھ ساتھ ہم باپ کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے کیوں کہ مرد کے بغیر کوئی بھی عورت خود سے بچہ تخلیق نہیں کر سکتی۔بچوں کی تربیت میں ماں اور باپ دونوں کا برابر کا حصہ ہوتا ہے۔تحقیقات اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ والدین کے آپس کے تعلقات بچے کی شخصیت پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔

جن بچوں کی پرورش دوستانہ اور خوشگوار ماحول میں ہوتی ہے نیز انہیں زندگی کی بنیادی آسائشات بھی مہیا کی جاتی ہیں وہ معاشرے کے ذمہ دار شہری کے روپ میں ابھرتے ہیں لیکن جن بچوں کی تربیت ناخوش گوار ماحول اور دباؤ میں آکر کی جاتی ہے دیکھنے میں آیا ہے کہ ایسے بچے جب جوان ہوتے ہیں تو وہ معاشرے کے کار آمد شہری بننے کے بجائے تخریب کار بن جاتے ہیں کیوں کہ معاشرے کے اصول و قوانین ان کی خواہشات کے آڑے آجاتے ہیں جو بچپن میں کسی نہ کسی وجہ سے پوری نہ ہو سکیں اور کہیں دل و دماغ میں دب کر رہ گئیں اور بسا اوقات خود فرد کو بھی ان کا علم نہیں ہوتا بس وہ ایک بے چینی کی کیفیت اپنے اندر محسوس کرتا ہے۔

بچپن کی محرومیاں ،والدین کا رویہ، بنیادی ضروریات زندگی کا فقدان اور ارد گرد موجود معاشرتی رویے انسان کی شخصیت پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔یہاں پر ان بچوں کی بات کرنا بھی بڑا ضروری ہے کہ جن کے والدین میں ان کے بچپن میں ہی علیحدگی ہو جاتی ہے یا پھر وہ کسی ناجائز تعلق کی پیداوار ہوتے ہیں۔ایسے بچے بھی بڑے ہو کر معاشرے کے لیے ناسور بن جاتے ہیں کیوں کہ ہمارا معاشرہ انہیں قبول نہیں کرتا اور ایک گالی تصور کرتا ہے۔

ان تمام باتوں میں اس بچے کا کوئی قصور نہیں ہوتا جو اس دنیا میں آتا ہے۔ہمارے معاشرے میں ایسے بچوں کو یا تو ماں پیدائش کے وقت ہسپتال میں چھوڑ کر فرار ہو جاتی ہے، یا بے اولاد جوڑوں کے حوالے کر دیتی ہے یا پھر کوڑے کے ڈھیر اور ایدھی سینٹر ان کے مستقل ٹھکانے بن جاتے ہیں۔اب ایسے بچے جب جوان ہوتے ہیں تو ان کا کردار، ان کی پہچان صرف ایک مجذوب جیسی ہوتی ہے۔ایسے افراد کے لاشعور میں پلنے والی ناآسودہ خواہشات جب بھیس بدل کر ان کے شعور میں داخل ہونے کی کوشش کرتی ہیں تو ان سے بے شمار ایسے اعمال وافعال سرزد ہوتے ہیں جو لاقانونیت کے زمرے میں آتے ہیں اور جنہیں ہمارا نام نہاد عزت دار معاشرہ قبول نہیں کرتا۔اس ناول میں بھی چند ایسے نوجوانوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ساحل سمندر پر شور مچاتے اور انارکزم پھیلاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ان کے ظاہری حلیے تو عجیب تھے ہی مگر ان کے منہ سے نکلنے والے الفاظ اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب تھے۔

یہ نوجوان لڑکے، لڑکیاں اس انقلاب کا نعرہ لگا رہے تھے جس کا مطلب انھیں خود بھی معلوم نہ تھا۔مصنفہ نے اس ناول کے ان کرداروں کے ذریعے ہمارے معاشرے سمیت دنیا کے تمام ممالک بالخصوص مغربی ممالک کی

نوجوان نسل کی طرف اشارہ کیا ہے جو ناجائز تعلقات کی پیداوار ہیں یا پھر کسی نہ کسی وجہ سے ان کے والدین نے انھیں رات کی تنہائی میں دنیا کے سرد و گرم تھپڑے کھانے کے لیے اکیلا چھوڑ دیا۔ ان کی نہ کوئی منزل ہے اور نہ ہی کوئی مستقل ٹھکانہ جو ہر وقت مختلف قسم کے نشوں میں دُھت ہر روز ایک نیا انقلاب لانے کی بات کرتے ہیں اور اپنی محرومیوں کا بدلہ دنیا کے سب انسانوں سے لینا چاہتے ہیں۔ وہ ایسا نظام لانا چاہتے ہیں جس میں کوئی پابندی نہ ہو کیوں کہ وہ ملک کے تمام بڑے بڑے اداروں کے خلاف تھے۔

اگر نفسیاتی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ان نام نہاد تربیت یافتہ نوجوانوں کا یہ رویہ ان کے بچپن کے سخت حالات، تربیت اور پابندیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جن کی وجہ سے یہ لڑکے لڑکیاں احساس برتری یا پھر احساس کمتری کا شکار ہو گئے۔ ناول "پاگل خانہ" میں روحی اور ان نوجوانوں کے مابین ہونے والی گفتگو ان کی ذہنی حالت کو بخوبی عیاں کرتی ہے جو کچھ اس طرح سے ہے:

> "ہم محض انقلاب برائے انقلاب کے خواہاں ہیں اور آزادی چاہتے ہیں ہم دنیا میں ایک ایسا نظام چاہتے ہیں جس میں کوئی پابندی کوئی اصول نہ ہو۔ ہم قوموں، شہروں میں بھگدڑ مچا دینا چاہتے ہیں۔۔۔ انارکزم؟ میں وہشت زدہ ہو کر بولی: نہیں نہیں! یوں نہ سوچو۔ وہ تباہ کن چیز ہے جس میں حکومت، قانون، پولیس، فوج۔۔۔ کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ یہ تباہی ہے قوموں کیلئے شدید نقص امن ہے۔ ہمیں آج امن کی باتیں کرنی چاہیں۔ کون سے امن کی؟ کس امن کی؟ جب ہم خود اندرونی امن سے محروم ہیں تو بیرونی امن ہمارے لیے بے معنی اور بے مقصد چیز ہے۔ ایک ہپی نے یہ فقرے سنجیدگی سے ادا کیے۔ اس کے بہت سے ساتھی حشیش کے زیر اثر دنیا و مافیا سے بے خبر ادھر ادھر زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ میں سوچنے لگی کیا ان خوبیدہ نوجوان کے بھی یہی خیالات ہوں گے؟ کیا یہ سب اپنے اندرونی امن کے فقدان کی وجہ سے بیرونی امن کے دشمن ہو رہے ہیں۔"(12)

اگرچہ ناول پاگل خانہ کا ایک اصل موضوع تو ایٹمی جنگیں اور ایٹمی جنگوں کے بعد ہونے والے وہ خطرناک نتائج ہیں جو ایٹمی ہتھیاروں کی تابکاری کی وجہ سے سامنے آتے ہیں لیکن اس کے علاوہ بھی مصنفہ نے بہت سی تلخ حقیقتوں کو اس ناول میں بیان کیا ہے جن میں ہمارے ملک و معاشرے میں ہونے والے متعدد جرائم اور پولیس کا رویہ بھی شامل ہے۔ بلاشبہ ہمارے ملک میں بے شمار جرائم پیشہ عناصر ہیں جن کی پشت پناہی کرنے والوں میں اکثر حکومتی عہدداران ہیں۔

اس کے علاوہ اعلیٰ عہدوں پر فائز امرا بھی اس گھناؤنے دھندے میں شامل ہیں مگر ایک حق و حقیقت یہ بھی ہے کہ ہماری ارض پاک کے گلی کوچوں میں ہونے والے ظلم و بربریت میں زیادہ تر وہ لوگ ملوث ہیں جو تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود بے روزگار ہیں۔ پیٹ کی بھوک اور دیگر ضروریات زندگی نہ ملنے پر ملک کا یہ طبقہ جائز و ناجائز ہر کام کرنے پر مجبور ہے۔ بھوک، افلاس، غربت، بے روزگاری بے سروسامانی اور اسی طرح کے اور بہت سے مسئلے مسائل اور پریشانیوں نے نوجوان طبقے کو نہ صرف ذہنی و جسمانی بیماریوں میں مبتلا کر دیا ہے بلکہ ان میں عدم برداشت اور بے صبری کا مادہ بھی کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے۔

روزانہ کے اخبار اور ٹی وی ہمیں جگہ جگہ ڈکیتی، قتل وغارت، چوری، راہ زنی وغیرہ کی خبریں دیتے نظر آتے ہیں۔ شاید ہی کوئی اخبار، ٹی وی، ریڈیو یا سوشل میڈیا ایسا ہو گا جہاں سے کوئی اچھی خبر سننے کو ملے گی۔ اب تو یوں لگتا ہے کہ تخریب کارانہ اور شدت پسندانہ ہوائیں و فضائیں ہی ہمارا مقدر بن چکی ہیں۔ کہیں سے کوئی امن و خیر کی خبر سننے کو نہیں ملتی کیوں کہ نہ صرف ہمارے جنوبی ایشیا بلکہ یورپی ممالک میں بھی لاقانونیت کی بلادستی قائم ہو چکی ہے اور ایسا صرف حکومتوں کی غلط معاشی پالیسوں کی وجہ سے ہی نہیں بلکہ ملک کا ہر ادارہ ہی غاصب، راشی اور اپنے فرائض کی انجام دہی سے بے پروہ ہو چکا ہے تب ہی تو جرائم پیشہ عناصر کو کھلی چھوٹ ہے کہ وہ جو چاہیں مرضی کریں انھیں پوچھنے والا کوئی نہیں ہے۔

اس ناول میں بھی جب ایک خاکروب نے ایک پھل فروش پر بلا وجہ گاڑی چڑھا کر اسے قتل کر ڈالا اور انتہائی آسانی سے فرار ہو گیا تو روحی اپنے ساتھیوں کے ساتھ پولیس تھانے رپورٹ درج کروانے گئی تو وہاں بیٹھے اہلکاروں نے اس کی باتوں پر کان نہ دھرے۔ اس کی شکایت کو یوں ہوا میں اڑا دیا جیسے کوئی مکھی اڑا دیتا ہے کیوں کہ یہ وہ پولیس والے ہیں جن کی مٹھیاں گرم کرنے کے لیے مجرم بھاری رقوم بطور رشوت ادا کرتے ہیں اور یوں آزادی کا پروانہ لے کر شان سے مزید جرائم کا ارتکاب کرنے کے لیے نئے شکار تلاش کرتے ہیں۔ ہمارے ملک میں مجرموں اور پولیس والوں کے تعلقات کو سمجھنے کے لیے ناول "پاگل خانہ" کا یہ حصہ قابل غور ہے:

> "میں پولیس اسٹیشن کی تلاش میں نکلی۔ نصف گھنٹے کی تلاش کے بعد آخر منزل مقصود پر پہنچی اور سپاہیوں کو پوری روداد سنائی۔ سپاہی آرام سے بیٹھے سگریٹ پی رہے اور تاش کھیل رہے تھے: "جب گاڑیاں بھاگ گیا تو ہمارے جانے کا فائدہ؟" ان میں سے ایک سپاہی نے کہا۔ یہ سن کر میں انگشت بہ دنداں رہ گئی۔ بہ ہزار دقت وہ میرے ساتھ چلنے پر رضامند ہو گئے اور جائے ورادات پر ہنستے بولتے جا پہنچے۔ ڈاکٹر گار گاڑیاں کو واپس لانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ سپاہیوں نے مجرم سے مصافحہ کیا۔ کچھ دیر دونوں میں دھیمی دھیمی آواز

میں باتیں ہوئیں۔ سپاہی لاش کو جھک کر دیکھنے لگے پھر وہ لاش کے قریب سے گزر گئے اور ٹھیلے والا ایک چوراہے کی طرف مسکراتا ہوا مڑ گیا۔ڈاکٹر گار سخت غصے میں تھا:"یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے؟ کیا مجرم نے پولیس والوں کو بھاری تحفہ دیا تھا۔"(13)

دنیا میں ہونے والے صنعتی انقلاب پر نظر ڈالی جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ صرف ایٹمی ہتھیاروں ہی نے نہیں بلکہ ان تمام فیکٹریوں، کارخانوں اور دیگر صنعتی اداروں نے بھی فضا کو بے حد آلودہ کیا ہوا ہے جو تقریباً تمام ملکوں کے شہروں اور دیہاتوں میں قائم ہیں اور جن کی وجہ سے فضا میں آکسیجن کی مقدار کم جب کہ کاربن ڈائی آکسائیڈ اور دیگر زہریلی گیسوں کی مقدار میں اضافہ ہو رہا ہے۔

اس ترقی یافتہ صنعتی دور کی تمام تر جدید ایجادات نے جہاں انسانی زندگی کو آسان کیا وہیں اس میں بے شمار مشکلات بھی پیدا کیں مثلاً ہماری روزمرہ استعمال ہونے والی اشیا جن میں موبائل فون، ٹیلی ویژن، گھڑیاں، ایکسرے، الٹراساؤنڈ مشینیں اور اسی طرح کی کئی دیگر چیزیں ہمیں ہر وقت تابکاری شعاعوں کی زد میں رکھتی ہیں جن کی وجہ سے بالخصوص سرطان کا مرض بڑے بوڑھوں اور جوانوں کے ساتھ ساتھ بچوں تک میں بھی پھیل چکا ہے اور اس کی اتنی اقسام سامنے آچکی ہیں کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

اس کے علاوہ کھیتوں میں فصلوں کی زیادہ پیداوار حاصل کرنے کے لیے جن زہریلی کیمیاوی کھادوں کا استعمال کیا جارہا ہے وہ بھی انسانی زندگی کو بہت بری طرح سے متاثر کر رہی ہیں۔اس سلسلے میں ہونے والی بے شمار تحقیقات نے اس تلخ حقیقت کو ثابت بھی کیا لیکن اس کے باوجود بھی ان ادویات کا استعمال روکا نہ جاسکا۔ اب تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس دنیا میں آنے والا ہر ذی روح اپنی پیدائش سے لے کر موت تک کیمیاوی اجزا اور تابکاری اثرات سے گہرا تعلق رکھنے پر مجبور ہے۔ان ساری چیزوں نے مل کر مشترکہ طور پر ہماری غذا کو غذائیت سے خارج کر کے ہمارے لیے ضرر رساں بنا دیا ہے یوں مانو کہ خالص غذا تو اب ناپید ہی ہو چکی ہے۔

فکری روادی اور ہم آہنگی کی صورت بھی اس ناول کے تین بنیادی و مرکزی کرداروں روحی، ڈاکٹر گار اور شوشوئی کے ذریعے واضح کی گئی ہے جو بالترتیب اسلام، عیسائیت اور بودھ مذہب کی نمائندگی کرتے ہیں اور آپس میں بے مثال دوستی رکھتے ہیں۔ڈاکٹر گار ناول "پاگل خانہ" میں کہتے ہیں کہ:

"ڈاکٹر گار کہنے لگا: ہاں میں نے پڑھا تھا کہ اسلامی جمہوریت میں کسی فرد کی بھی حق تلفی یا قیام جمہوریت کے دوران چھینا جھپٹی نہیں ہوتی۔اس نظام میں یہ مسائل انسانی ہمدردی اور انصاف کی بنیادوں پر حل کیے جاتے ہیں۔۔۔ نظام اسلام میں کسی پر زبردستی نہیں ہوتی نہ کسی قسم کی چھینا جھپٹی ہوتی ہے بلکہ اس نظام میں ہر فرد کو اس کے مذہبی اصولوں کا پابند

کر دیا جاتا ہے جو انسانی ہمدردی پر مبنی ہوتے ہیں۔۔۔ نظام اسلام میں امیروں کو سوسائٹی کا مجرم یا قابل نفرت طبقہ نہیں سمجھا جاتا ہے۔ امیر ہوں یا غریب سب کو سلسلہ قوم کی کڑی سمجھا جاتا ہے اور سب کو مذہبی اصولوں پر گامزن ہونے کی ہدایات دی جاتی ہیں۔"(14)

اہلِ قلم بھی اس گناہ میں برابر کے شریک ہیں جو اپنی امن پسندی کی وجہ سے مشہور ہیں لیکن افسوس کہ ان کے قلم کائنات میں ہونے والی ان ہلاکتوں پر احتجاج اور لعنت ملامت کرنے کے بجائے خاموش ہیں۔ شاید یہ انسانی فطرت ہے یا پھر اس کی جبلت میں یہ شامل ہو گیا ہے کہ اس کے اندر غلط کو غلط کہنے کی طاقت ختم ہو چکی ہے۔ چوں کہ اس ناول کو لکھنے والی مصنفہ یعنی حجاب امتیاز علی کو نفسیات سے گہری دلچسپی تھی اس لیے انھوں نے انسان کی جبلت مرگ پر کافی گہرا بحث و مباحثہ کیا ہے کیوں کہ یہی جبلت انسان کو موت و بربادی سے ہمکنار کرتی ہے اور اسی کے زیر اثر انسان اس مقام تک پہنچ جاتا ہے کہ خود کو یا دوسروں کو مارنے کی خواہش اس کے اندر زور پکڑنے لگتی ہے۔

" فرائڈ انسان کی دو جبلتیں بتاتا ہے ایک جبلتِ حیات جس کے تحت انسان اپنے آپ کو خطروں سے محفوظ رکھتا ہے، جیسے ہر جانور میں ہوتی ہی ہے، مگر انسان میں ایک اور جبلت بھی ہے، جسے جبلتِ مرگ کہتے ہیں، اس میں وہ اپنی پہلی حالت، یعنی جماداتی حالت میں لوٹنا چاہتا ہے۔۔۔ یہ دونوں جبلتیں اپنی اصل حالت میں بہت کم ظہور پذیر ہوتی ہیں عام طور پر انسان جو کیفیات محسوس کرتا ہے اس میں دونوں رجحانات ملے جلے ہوتے ہیں۔"(15)

ناول پاگل خانہ میں بھی جبلت مرگ کے بہت سے زاویے ہمارے سامنے آتے ہیں۔

اس ناول کا موضوع تلاش امن ہے اور امن کی تلاش کے راہی اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اسے کہیں کھوج نہیں پاتے تو اپنے اپنے مضامین کے مطابق انفرادی و اجتماعی تشدد کی توجیہات پیش کرتے نظر آتے ہیں۔ روحی اس ناول میں انسانی رویوں اور جبلتوں پر گفتگو کرتے ہوئے جم جونز کی شخصیت کا نفسیاتی تجزیہ پیش کرتی ہے جو درحقیقت جبلت مرگ کی بہترین مثال قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس حوالے سے ناول "پاگل خانہ" کا یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"جم جونز کے بچپن کے کچھ حالات میں نے امریکی اخبارات میں پڑھے ضرور ہیں جس سے سرسری طور پر اتنا اندازہ تو ہوتا ہے کہ وہ بچپن ہی سے اپنے آپ کو غیر معمولی بچہ سمجھنے کے مرض میں مبتلا کر دیا گیا تھا۔ اس کی ماں کی دی ہوئی غلط تربیت نے یہ بات اس کے ذہین نشین کرا دی تھی کہ وہ بڑا ہو کر سب پر غالب آئے گا۔ اس طرح کی غلط پیشن گوئیاں بچے کو بدتری خولیہ کا مریض بنا دیتی ہیں۔ میرا خیال ہے وہ "سادازم" کے خطرناک مرض میں بھی گرفتار تھا۔ اسی مرض میں گرفتار مریض کے کردار پر وہ مشہور محاورہ بنا کہ "روم جلتا رہا

اور نیرو اپنی بنسری بجاتا رہا"۔ کسی جاندار کو کرب میں مبتلا کر کے یا دیکھ کر لذت حاصل کرنے والے کو "سادازم "کا مریض کہتے ہیں۔ تو میرا خیال ہے جم جونز ایسا ہی آدمی تھا۔"(16)

ناول نگار نے پوری دنیا کو زمانہ حاضر کے مسائل و پریشانیوں کا احساس دلانے کے لیے پر زور احتجاج کیا ہے کہ جس کی وجہ سے قارئین کی نظروں کے سامنے آج کی دنیا کا تمام تر عالمی منظر نامہ سمٹ آیا ہے۔ مصنفہ نے اس بات کی ترغیب دینے کی بھی پوری کوشش کی ہے کہ ہمیں اپنے ذاتی مفادات و مسائل سے قطع نظر ہو کر مشترکہ طور پر اجتماعی سطح پر اس کائنات اور اس میں بسنے والی مخلوق کی بقاو حیات کے لیے ایک لائحہ عمل بنانا ہو گا کیوں کہ جنگیں کبھی بھی مسئلوں کا حل نہیں ہوتیں بلکہ ان سے صرف انسانی زندگیوں کا خاتمہ اور املاک و معیشت کی بربادی ہوتی ہے اور جو لوگ زندہ بچ جاتے ہیں وہ ذہنی و نفسیاتی طور پر اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ جس کا ازالہ ممکن نہیں ہے۔ اس کی واضح مثال ہیروشیما اور ناگاساکی پر امریکی ایٹمی ہتھیاروں کے وہ حملے ہیں جنہوں نے نہ صرف انسانیت کی وحدت کو پارہ پارہ کیا بلکہ لوگوں کو شدید جسمانی، ذہنی، جذباتی اور نفسیاتی حادثات و صدمات سے دوچار کیا اور جن کی یادیں آج بھی لوگوں کے ذہنوں میں زندہ ہیں۔ دراصل ایٹمی طاقتیں اپنی صلاحیتوں کو کمزور ممالک پر رعب جمانے اور برتری حاصل کرنے کے لیے ایک حربے کے طور پر استعمال کرتی ہیں مثلاً جب جاپان ایٹمی طاقت نہ تھا امریکہ کو جوابی حملے کا کوئی خطرہ نہ تھا جس کی وجہ سے اس نے بے گناہ، معصوم اور بے خبر جاپانی شہریوں کو اپنے ایٹم بم کا نشانہ بنایا۔ اس جنگ کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ جنگ عظیم دوم کا بیج اس وقت بو دیا گیا تھا جب معاہدہ ورسائی پر دستخط ہوئے تھے لیکن اس کا باقاعدہ آغاز یکم ستمبر 1939ء کو ہوا جب جرمنی نے پولینڈ پر حملہ کیا اور برطانیہ نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور رہی سہی کسر امریکہ کے ایٹم بموں نے پوری کر دی جو اس نے جاپان کے دو شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر برسائے اور اپنی طاقت کے نشے میں چور یہ تک نہ سوچا کہ سادہ لوح شہریوں اور دیگر بنی نوع انسان پر اس طاقت کے استعمال سے کیا گزری ہو گی جو اس جنگ کا حصہ نہ تھے بلکہ جنہیں کچھ خبر ہی نہ تھی۔ ان دو شہروں کی مکمل تباہی پر نہ صرف جاپان نے ہتھیار ڈال دیئے بلکہ جنگ عظیم دوم کا بھی خاتمہ ہو گیا لیکن ان بموں نے ان دو شہروں میں بسنے والوں پر کیا قیامت ڈھائی اس کا اندازہ ناول "پاگل خانہ" کا یہ حصہ پڑھنے کے بعد لگایا جا سکتا ہے:

"گلیوں اور بازاروں میں پڑے ہوئے بے دست و پا اور گری ہوئی عمارتوں کے ملبے تلے دبے ہوئے ہزاروں نیم مردہ انسانوں کی درد ناک چیخوں سے سارا شہر گونج رہا تھا۔ "مدد۔۔۔مدد۔۔۔ہم مر رہے ہیں۔۔۔مدد! ۔۔۔ جلد آؤ!۔۔۔جلد آؤ۔۔۔مدد مدد۔۔۔!" مدد مانگنے والوں کی ان ہولناک چیخوں میں دوستی اور عزیزوں کی جانی پہچانی

مانوس آوازیں بھی سنائی دے جاتی تھیں مگر اس دن ہر آدمی اپنی جگہ مجبور تھا۔مائیں اپنے شیر خواروں کی خوں خاں کا بھی جواب نہیں دے سکتی تھیں۔ باپ اپنے بیٹے کی مدد کو نہیں پہنچ سکتا تھا کہ وہ خود ملبے تلے چند منٹوں کا مہمان تھا۔ تاب کاری کے اثرات نے انہیں بے کار کر دیا تھا۔ ٹانگیں ٹوٹی ہوئی، سر سے خون کے فوارے، ہیضے کی علامات، قے پر قے، شدید پیاس، خونی دست، نکسیر پھوٹی ہوئی، اچانک شدید گرمی کا احساس، اچانک شدید سردی کی مصیبت، بخار، سانس میں رکاوٹ، گوشت لٹکے ہوئے، پیاس کی شدت سے لوگ دریا کی طرف بھاگتے تھے اور پانی پیتے ہی قے پر قے شروع ہو جاتی تھی کیوں کہ دریا کا پانی تاب کاری سے مسموم ہو چکا تھا۔ تاب کاری کے بھوت نے اس خطہ ارض پر مکمل طور پر اپنا قبضہ کر رکھا تھا۔ ہر طرف موت اور اذیت کا بازار گرم تھا۔"(17)

جنگ کے اختتام پذیر ہونے اور جاپان کی ہار مان لینے کی خبر نے ساری جاپانی قوم پر ایک سکتے کی کیفیت طاری کر دی۔ کوئی یہ ماننے کو تیار ہی نہ تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے لیکن ایسا ہو چکا تھا مگر سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ ان جنگوں سے آخر کیا فوائد حاصل ہوئے ماسوائے بدامنی اور انسانی جانوں کے ضیاع کے اور ساتھ ہی ساتھ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ ایٹم کے خالق اور پھر اس کو نہتے لوگوں پر پھینکنے والے آخر کیسا دل رکھتے تھے؟ کیا وہ خود انسان نہ تھے اور کوئی خاندان نہ رکھتے تھے؟ کیا ان کے اندر ضمیر نام کی کوئی چیز نہ تھی کہ جس نے انھیں کبھی تو ملامت کیا ہو گا؟ کیا کبھی ان کے دلوں میں یہ احساس جرم پیدا نہ ہوا ہو گا کہ ان کی وجہ سے کتنے لوگ مر گئے اور باقی بچ جانے والے بدنصیب اور ان کی آنے والی نسلیں تک کتنی اذیت ناک اور پر اسرار امراض میں مبتلا ہوئیں ہیں۔

یہ تمام وہ سوالات ہیں جو آج کی اس عظیم دنیا کے زمینی خداؤں اور فرعون صفت انسانوں کو سوچنے چاہیں مگر صد افسوس کہ اقتدار اور طاقت کی خواہش نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہے اور وہ حیوانوں سے بھی بدتر ہو چکے ہیں۔ زمانہ حاضر کے ترقی یافتہ ان سائنس دانوں نے صرف ایٹم اور نیوٹران بم بنا کر زمین پر ہی اجارہ داری قائم نہیں کی بلکہ اپنے مشاہدات و تجربات کے ذریعے نہ صرف زمین کی اتھاہ گہرائیوں تک جا پہنچے ہیں آسمان کے مختلف سیارے، سیارچے اور دم دار ستارے وغیرہ بھی ان کے تصرف میں ہیں۔

انسان نے انسان کو جسے ربوٹ کا نام دیا جاتا ہے تخلیق کر کے خود کو قادر مطلق کا درجہ تک دے ڈالا ہے بنا یہ سوچے کہ انسان جو کچھ مرضی کر لے مگر کاتب تقدیر کے سامنے بے بس ہے جس کی واضح مثال اس ناول میں پروفیسر میم کے کردار کو سامنے لا کر دی گئی جو اپنی اس تخلیق پر نازاں ہے کہ جس نے اس کی بیوی کو ہی تکلیف میں مبتلا کر دیا

اور جو بلآخر ان کے گھر ٹوٹنے کا باعث بھی بن گئی۔ بلاشبہ اس مشینی آدمی نے ڈاکٹر کے گھر میں نقص امن پیدا کر دیا تھا۔ اس ضمن میں ناول "پاگل خانہ" سے لیا گیا یہ اقتباس دیکھیے:

> "مشہور سائنس دان اور مشینی مخلوق کے خالق پروفیسر ڈاکٹر میم کی بیگم نے اپنے شوہر سے طلاق حاصل کر لی ہے۔ وہ اپنے سوختہ چہرے کے علاج کے سلسلے میں ہسپتال میں داخل ہیں۔ انہوں نے وہیں سے پروفیسر صاحب پر دعویٰ دائر کر دیا ہے اور ہدایت بھی دی ہے کہ وہ اپنے لیے کسی مشینی بیوی کا انتظام کر لیں اور انہیں فوراً طلاق دے دیں۔۔۔ انہی کے بنائے ہوئے ایک مشینی خادم نے فنی غلطی سے گرم گرم گھی پتیلی میں ڈالنے کے بجائے بیگم میم کے چہرے پر ڈال دیا تھا اور پروفیسر صاحب نے بیوی سے ہمدردی کرنے کے بجائے اپنی مخلوق کو بے گناہ ثابت کرنے کی سعی کی تھی۔"(18)

یہ ناول "پاگل خانہ" مختلف حقائق کو بیان کرتے ہوئے بلآخر ہمیں یہ باور کرواتا ہے کہ اپنا گھر اپنا ہی ہوتا ہے یعنی گھر سے مراد اپنا ملک جس میں جیسے بھی حالات ہوں گزر بسر ہو سکتی ہے اور جہاں تک امن و تحفظ کی بات ہے تو وہ آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں چلے جائیں اب ناپید ہے۔ اس ترقی یافتہ عہد نے ہمیں تمام آسائشات تو مہیا کر دی ہیں مگر بدلے میں ہمارا سکھ چین چھین لیا ہے۔ اس ناول کے مرکزی کردار جو امن کی کھوج میں ملکوں ملکوں کی خاک چھانتے رہے لیکن ان کے ہاتھ کچھ نہ آیا اور وہ تلاش امن میں ناکام رہے۔ حجاب امتیاز علی کا یہ ناول سائنس ایجادات کے منفی استعمال اور تباہ کاریوں پر ایک بہترین اور سنجیدہ تحریر ہے۔

مختصر یہ کہ مصنفہ نے اس موضوع پر خصوصی مطالعہ کیا اور پوری ایمانداری کے ساتھ اس ناول کو مبالغ آرائی سے پاک رکھا اور قارئین کو بھی موجودہ اور آنے والے زمانوں کے سیاسی، معاشرتی، معاشی اور سائنسی حالات سے متعلق سنجیدگی سے غور کرنے کی دعوت دی۔ مصنفہ نے اس تلخ حقیقت کو بھی عیاں کیا ہے کہ اہل مغرب کی حرص و ہوس، ایٹمی ہتھیار اور ان کے ذریعے کیے جانے والے مختلف تجربات نہ صرف مغرب بلکہ مشرق کے لوگوں اور ماحول و معاشرت کو بھی گزند پہنچا رہے ہیں۔ اب سوچنا یہ کہ مصنفہ کا یہ ناول کب مغرب والوں اور ان کی تقلید کرنے والوں کے ضمیر کو جنجھوڑے گا اور خبردار کرے گا کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ نہ صرف غلط ہے بلکہ اس پوری دنیا کے لیے زہر قاتل ہے۔

حواشی و حوالہ جات

1۔ سجاد حیدر یلدرم، مقدمہ، مشمولہ: ظالم محبت، حجاب امتیاز علی، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 1990ء، ص 8۔

2۔ صوفیہ یوسف، ڈاکٹر، حجاب کا ناول پاگل خانہ اور ماحولیاتی تنقید، مشمولہ: الماس، 19:1، 2017ء، ص92۔
3۔ حجاب امتیاز علی، پاگل خانہ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2005ء، ص23، 25۔
4۔ اقبال، بالِ جبریل، لاہور: تاج کمپنی لمیٹڈ، 1935ء، ص147۔
5۔ حجاب امتیاز علی، پاگل خانہ، ص27۔
6۔ برج نرائن چک بست، صبحِ وطن، الہ آباد: انڈین پریس لمیٹڈ، 1938ء، ص31۔
7۔ حجاب امتیاز علی، پاگل خانہ ، ص65، 66۔
8۔ ایضاً، ص69۔
9۔ ایضاً، ص74۔
10۔ ایضاً، ص82، 83۔
11۔ ایضاً، ص99۔
12۔ ایضاً، ص108۔
13۔ ایضاً، ص116، 117۔
14۔ ایضاً، ص169، 170۔
15۔ احمر نعمان، جبلتِ مرگ، مشمولہ: مکالمہ (بلاگ)، اکتوبر 2023ء، 15 اپریل 2024ء، شب 9 بجے،
https://www.mukaalma.com/180968/
16۔ احجاب امتیاز علی، پاگل خانہ، ص 190، 191۔
17۔ ایضاً، ص275۔
18۔ ایضاً، ص329۔

References in Roman Script:

1. Sajjad Haider Yaldram, Muqaddama, Mashmulah: Zalim Mahabbat, Hijab Imtiaz Ali, Lahore: Sang-i Mil Publications, 1990, P8.
2. Sofiya Yousuf, Dr, Hijab ka Novel Pagal Khana aur Mahouliyati Tanqid, Mashmulah: Almas, 19:1, 2017, P92.
3. Hijab Imtiaz Ali, Pagal Khana, Lahore: Sang-I Mil Publications, 2005, P23-25.
4. Mouhammad Iqbal, Bal-i Jibril, Lahore: Taj Company Limited, 1935, P147.
5. Hijab Imtiaz Ali, Pagal Khana, P27.
6. Brij Narayan Chakbast, Subh-i Watan, Allahabad: Indian Press Limited, 1938, P31.
7. Hijab Imtiaz Ali, Pagal Khana, P65-66.
8. As Above, P69.
9. As Above, P74.
10. As Above, P82-83.
11. As Above, P99.

12. As Above, P108.
13. As Above, P116-117.
14. As Above, P169-170.
15. Ahmar Nauman, Jibilat-I Marg, Mashmulah: Mukalmah(Blog), October 2023, 15April2024, 09:00pm, https://www.mukaalma.com/180968/
16. Hijab Imtiaz Ali, Pagal Khana, P190-191.
17. As Above, P275.
18. As Above, P329.